رسائل و مسائل

صحابۂ کرام بعض اختلافات کے باوجود رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ تھے

سوال۔ کچھ عرصہ قبل فضائل صحابہ کے موضوع پر اظہارِ خیال کا موقع ملا میں نے حسب توفیق مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ اَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ کی تشریح کی۔ بعد میں ایک صاحب نے سوال کیا کہ قرآن شریف تو صحابہؓ کی یہ صفت بیان کر رہا ہے لیکن واقعات کی تصویر اس کے برعکس ہے۔ جنگِ جمل و صفین میں دونوں طرف اکابر صحابہ موجود تھے۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ بھی ایک فریق کے ہمراہ تھیں۔ ان واقعات کی روشنی میں رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ کی صحیح توجیہ کیا ہو سکتی ہے؟ میں نے حتی الوسع اس معاملے پر غور کیا بعض کتب دینیہ اور ذی علم احباب سے بھی رجوع کیا مگر کچھ اطمینان نہ ہو سکا۔ آپ براہِ کرم ان واقعات کو نگاہ میں رکھتے ہوئے ارشادِ قرآنی کی صحیح تاویل و توجیہ بیان کریں جس سے یہ اشکال رفع ہو جائے۔

جواب۔ آپ کے عنایت نامے کا جواب افسوس ہے کہ بڑی تاخیر سے دے رہا ہوں۔ اس مہینے شدید مصروفیت رہی اس لیے خطوط پڑھنے تک کا وقت نہ ملا، جواب دینا تو درکنار۔ امید ہے کہ میری مشکلات کو نگاہ میں رکھ کر اس تاخیر سے درگزر فرمائیں گے۔

آیت اَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ پر جس شبہ کا اظہار محترم سائل نے کیا ہے وہ دو مفروضوں پر مبنی ہے، اور دونوں ہی خلافِ حقیقت ہیں۔ ان کا پہلا مفروضہ یہ ہے کہ کسی شخص یا گروہ کی تعریف میں جب کوئی بات کہی جائے تو لازماً اسے اس معنی میں لینا چاہیے کہ اس شخص یا اس گروہ میں کبھی کوئی جزئی امر بھی اس کے خلاف نہ پایا جائے۔ حالانکہ انسانوں کی تعریف جب بھی کی جاتی ہے ان کے غالب حال کے لحاظ سے کی جاتی ہے، اور کبھی کبھار کوئی چیز اس کے خلاف نظر آئے تو وہ کلی حکم میں قادح نہیں سمجھی جاتی۔ ہم صحابۂ کرام

کو دنیا کا سب سے زیادہ اتقیٰ اور اصلح گروہ قرار دیتے ہیں۔ یہ حکم ان کی مجموعی سیرت کے لحاظ سے ہے اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اس گروہ میں کبھی بشریت کے تقاضوں سے جزئی کمزوریوں کا سرے سے ظہور ہی نہیں ہوتا تھا۔ آخر اس زمانہ میں بھی کسی کو زنا اور کسی کو چوری کی سزا، اور کسی کو قذف کی سزا دی ہی گئی تھی، اور صحابیت کا شرف ان سزا یافتہ لوگوں کو بھی حاصل تھا، کیونکہ ایمان کے بعد جس شخص کو حضور کی صحبت میسر ہوئی ہو وہ بہرحال صحابی ہے، اور ان قصوروں کی بنا پر بہرحال نہ صفت ایمان ان سے سلب ہوئی تھی نہ صفت صحابیت۔ مگر کیا یہ بات کہ کبھی اس معاشرے میں زنا اور چوری اور قذف کے گناہوں کا صدور بھی ہو گیا تھا اس مجموعی حکم میں قادح ہو سکتی ہے کہ وہ معاشرہ صلاح و تقویٰ میں اس بلند ترین مرتبے پر پہنچا ہوا تھا جس پر کبھی کوئی انسانی معاشرہ نہیں پہنچا؟ اسی طرح رحماء بینھم کی صفت صحابۂ کرام کی مجموعی سیرت اور ان کے غالب حال کے لحاظ سے ہے، اور واقعہ یہ ہے کہ کسی انسانی معاشرے میں آپس کی محبت والفت، باہمی ہمدردی و خیر اندیشی، اور ایک دوسرے کے حقوق کا لحاظ اور مرتبے کا احترام اس درجے کا نہیں پایا جاتا اور نہ پایا گیا ہے جیسا صحابۂ کرام کے معاشرے میں نظر آتا ہے۔ مجموعی طور پر دیکھا جائے تو ان کے اندر یہ صفت انتہائی ممکن کمال تک پہنچی ہوئی نظر آتی ہے جس کا کسی انسانی معاشرے کے حق میں تصور کیا جا سکتا ہے۔ لیکن انسان جب تک انسان ہیں، ان کے اندر بہرحال کبھی نہ کبھی اختلافات بھی پیدا ہو سکتے ہیں اور وہ اختلافات لڑائی جھگڑے کی صورت بھی اختیار کر سکتے ہیں۔ صحابۂ کرام بھی انسان ہی تھے۔ عالم بالا سے کوئی فوق البشر مخلوق حضور کی صحبت و معیت کے لیے اتر کر نہیں آئی تھی۔ ایک دوسرے کے ساتھ رہن سہن، لین دین، اور اجتماعی زندگی کے معاملات کرتے ہوئے لامحالہ بتقاضائے بشریت ان میں اختلافات بھی ہو جاتے تھے، اور بعض اوقات یہ اختلافات شدید نوعیت بھی اختیار کر گئے ہیں۔ لیکن ان جزئی واقعات سے اس کلی حکم میں کوئی فرق واقع نہیں ہوتا کہ ان کی امتیازی صفت رحماء بینھم تھی، کیونکہ ان کا غالب حال یہی تھا۔

دوسرا مفروضہ جو ان کے اس شبہ کے پیچھے کام کر رہا ہے، یہ ہے کہ صحابۂ کرام میں کبھی جو اختلافات رونما ہوئے ہیں وہ اس نوعیت کے تھے کہ ان سے رحماء بینھم کی صفت بالکل ہی سلب ہو گئی تھی حالانکہ

ان اختلافات کی جو تاریخ ہم تک پہنچی ہے وہ اس بات پر گواہ ہے کہ یہ مقدس انسان جب آپس میں لڑ بھی جاتے تھے تو ان کی اس لڑائی میں بھی رحماء بینہم ہونے کی ایک انوکھی شان پائی جاتی تھی۔ بے شک وہ جنگ جمل و صفین میں ایک دوسرے کے خلاف نبرد آزما ہوتے ہیں، مگر کیا دنیا کی کسی خانہ جنگی میں آپ فریقین کو ایک دوسرے کے ساتھ لڑتے ہوئے بھی ایک دوسرے کا وہ احترام ملحوظ رکھتے دیکھتے ہیں جو ان بزرگوں کی لڑائی میں نظر آتا ہے۔ وہ نیک نیتی کے ساتھ اپنے آپ کو حق بجانب سمجھتے ہوئے لڑے تھے نفسانی عداوتوں اور اغراض کی خاطر نہیں لڑے تھے۔ انہیں افسوس تھا کہ دوسرا فریق، ان کی پوزیشن غلط سمجھ رہا ہے اور خود غلط پوزیشن اختیار کرتے ہوئے بھی اپنی غلطی محسوس نہیں کر رہا ہے۔ وہ ایک دوسرے کو فنا کر دینے پر تلے ہوئے نہیں تھے بلکہ اپنی دانست میں دوسرے فریق کو راستی پر لانا چاہتے تھے۔ ان میں سے کسی نے کسی کے ایمان سے انکار نہیں کیا، اس کے اسلامی حقوق سے انکار نہیں کیا، بلکہ اس کی فضیلت اور اس کی اسلامی خدمات کا انکار بھی نہیں کیا۔ انھوں نے ایک دوسرے کو ذلیل و رسوا کرنے کی کوشش نہیں کی۔ لڑنے میں انہوں نے لڑائی کا حق ضرور ادا کیا، مگر لڑ کر گر جانے والے کے لیے وہ سراپا رحم و شفقت تھے اور گرفتار ہو جانے والے پر مقدمہ چلانا اور اس کو سزا دینا یا اس کو ذلیل و خوار کرنا تو درکنار، قید رکھنا اور کسی درجے میں بھی نشانۂ عتاب بنانا تک انہوں نے گوارا نہ کیا۔ ذرا دیکھیے، عین اس وقت پر جب جنگ جمل میں دونوں فوجیں آمنے سامنے کھڑی ہوتی ہیں، حضرت علیؓ حضرت زبیرؓ کو پکارتے ہیں اور وہ ان سے ملنے کے لیے نکل آتے ہیں۔ دونوں میں سے کسی کو بھی دوسرے سے یہ اندیشہ نہیں ہوتا کہ وہ اس پر اچانک حملہ کر دیگا۔ صفوں کے درمیان دونوں ایک دوسرے سے بغلگیر ہو کر روتے ہیں۔ دونوں طرف کی فوجیں یہ دیکھ کر حیران رہ جاتی ہیں کہ کیا ایک دوسرے سے لڑنے آئے تھے اور گلے مل کر رو رہے ہیں۔ دونوں تنہائی میں بات کر کے اپنی اپنی فوجوں کی طرف پلٹ جاتے ہیں۔ حضرت علیؓ کی فوج والے ان سے پوچھتے ہیں کہ امیر المومنینؑ آپ عین لڑائی کے موقع پر ننگے سر ایک شخص سے تنہا ملنے چلے گئے؟ جواب میں فرماتے ہیں، جانتے ہو وہ شخص کون تھا؟ وہ صفیہ عمۂ رسول اللہ کا بیٹا تھا۔ میں نے اس کو رسول اللہ کی ایک بات یاد دلائی۔ اس نے کہا کاش یہ بات مجھے پہلے یاد آ جاتی تو میں آپ کے مقابلے میں لڑنے نہ آتا۔ لوگ اس پر کہتے ہیں الحمد للہ،

اے امیرالمومنین، یہ رسول اللہ کے شہسوار اور حواری ہیں، ہم کو انہی کا سب سے زیادہ خوف تھا۔ دوسری طرف حضرت زبیرؓ پلٹ کر اپنی فوج میں جاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ شروع اسلام میں جب کبھی میں کسی لڑائی میں شریک ہوا ہوں، مجھے اس میں بصیرت حاصل تھی، مگر اس لڑائی میں نہ میری رائے ہے، نہ کوئی بصیرت۔ اور یہ کہہ کر وہ فوج سے نکل جاتے ہیں۔ اسی طرح حضرت علیؓ اور حضرت طلحہؓ کی بھی دونوں صفوں کے درمیان تنہا ملاقات ہوتی ہے، اور دونوں ایک دوسرے کو قائل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ لڑائی شروع ہوتی ہے تو حضرت علیؓ اپنی فوج میں اعلان کرتے ہیں کہ خبردار کسی کا تعاقب کرکے نہ مارنا، کسی زخمی پر ہاتھ نہ اٹھانا۔ ان کے لشکر کا مال تم لے سکتے ہو مگر ان شہداء کے گھروں پر ان کے جو مال ہیں وہ ان کے وارثوں کا حق ہے، اور ان کی عورتوں کے لیے عدت ہے۔ ایک شخص کہتا ہے کہ جب ان کے لشکر کے مال ہمارے لیے حلال ہیں تو ان کی عورتیں کیوں نہ حلال ہوں؟ حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ تم میں سے کون اپنی ماں عائشہ کو اپنے حصے میں لینے کے لیے تیار ہے؟ لوگ پکار اٹھتے ہیں: نستغفر اللہ۔ جنگ کے بعد مقتولوں پر سے حضرت علیؓ کا گزر ہوتا ہے۔ حضرت طلحہؓ کے بیٹے محمد کی لاش پر نظر پڑتی ہے تو بے اختیار فرماتے ہیں: رحمک اللہ یا محمد، لقد کنت فی العبادۃ مجتہداً، ناء اللیل قواماً وفی الحرور صواماً "خدا کی رحمت ہو تم پر اے محمد، تم بڑے عبادت گزار، راتوں کو کھڑے رہنے والے اور سخت گرمیوں میں روزے رکھنے والے تھے۔" حضرت زبیرؓ کا قاتل انعام کی امید پر حاضر ہوتا ہے تو اس کو دوزخ کی بشارت دیتے ہیں۔ حضرت عائشہؓ کے ہودے کے پاس پہنچتے ہیں تو اس سے زیادہ کچھ نہیں کہتے کہ "اے ہودے والی، اللہ نے آپ کو گھر میں بیٹھنے کا حکم دیا تھا اور آپ لڑنے نکل آئیں۔" پھر بڑے احترام کے ساتھ ان کو مدینہ روانہ کر دیتے ہیں، اور وہ اس حسن سلوک پر ان کو دعا دیتی ہیں کہ جزی اللہ ابن ابی طالب الجنۃ۔

حضرت طلحہؓ کے بیٹے موسیٰ حضرت علیؓ سے ملنے آتے ہیں تو آپ انہیں بٹھا کر فرماتے ہیں۔ مجھے امید ہے کہ میں اور تمہارے باپ ان لوگوں میں سے ہوں گے جن کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ "ہم ان کے دلوں سے باہمی کدورت نکال دیں گے اور وہ جنت میں بھائی بھائی کی حیثیت سے آمنے سامنے چھپر کھٹوں پر بیٹھیں گے" ایک شخص پوچھتا ہے آپ کے پاس یہ کون آیا تھا؟ فرماتے ہیں یہ میرا بھتیجا تھا۔ وہ عرض کرتا ہے کہ اگر یہ